رسولِ اللہ، اقبال کی نظر میں

سیّد علی رضا نقوی

اقبال کے تین تعلق

اقبال کا بحیثیت ایک مسلمان کے مطالعہ کرنے کے لئے ان کے تین قسم کے تعلقات کا بہ نظرِ غائر مطالعہ از بس ضروری ہے۔ ان کا ایک تعلق بحیثیت ایک بندے کے خدا سے ہے۔ دوسرا ایک سچے مسلمان کی حیثیت سے رسولِ اکرم صلعم کی ذات والا صفات سے ہے اور تیسرا تعلق امتِ مسلمہ کے ایک فرد کی حیثیت سے اس امت سے ہے۔ ان تینوں تعلقات کا سرچشمہ اگرچہ ایک ہے لیکن یہ تینوں تعلق ان کے یہاں ایک دوسرے سے بہت متمائز اور بڑی حد تک متفاوت ہیں۔

اقبال کا تعلق خداوند کریم کی ذاتِ باری سے ایک عام بندہ اور پروردگار کا نہیں، بلکہ ایسے دو افراد کا ہے جو بزرگی و خُردی کے امتیاز کے باوجود ایک دوسرے کے بہت نزدیک بھی ہوں اور ایک دوسرے سے بڑے بے تکلف بھی۔ لہٰذا اقبال جب خدا کے حضور میں ہوتے ہیں تو شوخیاں بھی کرتے ہیں، اس سے بے تکلفانہ گفتگو بھی کرتے ہیں اور اپنے دل کی باتیں بھی بغیر کسی جھجک کے بیان کر ڈالتے ہیں۔ ان کا تعلق خدا کے ساتھ بہت عجیب ہے۔ وہ خدا کے سامنے ایسے ہی ناز کرتے ہیں جیسے کوئی چہیتا بچّہ اپنی ماں سے ناز کرتا ہے۔ انہیں جب حضورِ رسالت کوئی بات پہنچانی ہوتی ہے تو وہ خدا کے ذریعہ پہنچاتے ہیں۔ جب اپنی ذات کو اور خاص طور پر اپنی ملّت کو مشکلات اور بدحالی میں گرفتار دیکھتے ہیں تو بے محابانہ اس کے سامنے گلہ و شکوہ کا دفتر کھولنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔ حضورِ حق جاتے ہوئے نہ اُن کو کوئی سامان لینے کی ضرورت پیش آتی ہے اور نہ وہ یار دوستوں کی نصیحتوں اور مشوروں پر توجہ

دیتے ہیں۔ تنہا چیز جو اس وقت ان کے ساتھ ہوتی ہے وہ ایسی آہِ سوزناک ہے جو سینوں کو کشادگی بخشتی ہے اور صدہا سال کے غموں کو بھی ختم کر دیتی ہے ؎

بہ آہے سوزناکش سینہ بکشاے زیک آہش غم صد سالہ میرد[1]

اس کے برخلاف جب وہ رسول اکرمؐ کی خدمت میں جانے کا ارادہ کرتے ہیں تو صوفیانہ روش کے مطابق کہ ؏

با خدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار

بڑے ادب اور احترام سے حاضر ہونے کی تیاری کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک آستانۂ رسولؐ عرش سے بھی زیادہ نازک جگہ ہے جس کا ادب و احترام واجب ہے۔ اس مقام پر جنید و بایزید جیسے جلیل القدر صوفی بزرگوں کے بھی ہوش گم ہو جاتے ہیں۔

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرشِ نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا[2]

ان کا تعلق امتِ مسلمہ سے ایک دردمند، رازداں اور چارہ ساز بھائی جیسا ہے۔ ان کو اپنے بھائیوں کو مصیبت میں دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا ہے لہٰذا وہ ایک پُرخلوص بھائی کی طرح اس کی چارہ جوئی کرتے ہیں اور اس کو دردمندانہ نصیحت کرتے ہیں ؎

مقامِ خویش اگر خواہی دریں دیر بحق دل بند و راہِ مصطفےٰ رو[3]

اقبالؔ کو رسول اللہؐ کی ذاتِ گرامی سے والہانہ اور بے اندازہ عشق ہے۔ اس راہ میں عقلِ حیلہ ساز بیکار اور بے سود نظر آتی ہے کیونکہ وہ ان کو اس منزل پر لے جانے سے عاجز ہے جو ان کی مطلوب و مقصود ہے۔ چنانچہ وہ اپنی عمل کی مہار دل کے ہاتھ میں دے دیتے ہیں اس لئے کہ ان کو یقین ہے کہ اس پُرخار و پُرخطر راہ میں وہی ان کی صحیح رہنمائی کر سکتا ہے ؎

خرد از راندن محمل فرو ماند زمامِ خویش دادم در کفِ دل[4]

وہ جب اپنے محبوب رسولؐ کی بارگاہ کی طرف روانہ ہوتے ہیں تو خود خدا کو بھی الوداع کہہ دیتے ہیں۔

تو باش اینجا و با خاصان بیامیز کہ من دارم ہوائے منزلِ دوست[5]

جب عالمِ خیال میں وہ "درِ دوست" پر پہنچتے ہیں تو فرطِ شوق سے بے اختیار اس مقدس آستانہ کی خاک کو اپنی پلکوں سے صاف کرنے لگتے ہیں۔ معاً انہیں خیال آتا ہے کہ عبدالعزیز ان کے اس عمل کو ایک بشر کے مزار پر سجدہ ریزی نہ سمجھ بیٹھے اور کہیں ان پر شرک کا گمان نہ کرنے لگے۔ لہٰذا وہ اس کو ان لفظوں میں اپنے اس عمل کی غرض و غایت سمجھاتے ہیں ؎

سجودی نیست اے عبدالعزیز این   بروبم از مژہ خاکِ درِ دوست[۶]

اقبالؔ کو جہاں رسول اکرمؐ کی ذاتِ اقدس سے بے پناہ عشق ہے وہاں ان سے بے حد شرم و حیا بھی آتی ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ داورِ محشر روزِ جزا ان کے (اور ان کی قوم کے) اعمال کا حساب رسولِ مقبولؐ کے سامنے لے، کیونکہ اپنے سیاہ نامہ اعمال سے بڑی شرم آتی ہے اور یہ سوچ کر مزید شرمندگی ہوتی ہے کہ نامہ اعمال کی سیاہی کا اصل سبب رسول اللہؐ کے بتائے ہوئے راستہ پر نہ چلنے اور ان کی تعلیمات سے غفلت برتنے کی عادت رہا ہے۔ لہٰذا وہ خداوندِ کریم کی بارگاہ میں درخواست کرتے ہیں کہ ان کا حساب رسول اللہؐ کے حضور میں نہ لے، بلکہ اس سیاہ دفتر کو ان سے پوشیدہ رکھے اور اس طرح ان کو شرمندگی اور خواری سے بچائے۔

بپایان چوں رسد این عالم پیر   شود بے پردہ ہر پوشیدہ تقدیر
مکن رسوا حضورِ خواجہ ما را   حسابِ من ز چشمِ او نہان گیر ؎

حتیٰ کہ جب وہ رسول اکرمؐ کا نام بھی اپنی زبان پر لاتے ہیں تو خوف سے لرزہ براندام اور شرم سے پانی پانی ہو جاتے ہیں۔

چون بنامِ مصطفےٰ خوانم درود   از خجالت آب می گردد وجود ؎

اُمت کے لئے نبی کی ضرورت

اقبالؔ امت کے وجود کے لئے نبی اور شریعت کا وجود لازمی سمجھتے ہیں۔ نبی خدا اور بندوں کے درمیان ایک واسطے کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہر نبی اپنی اُمت کے تشخص کا نمائندہ اور ذمہ دار ہوتا ہے۔ لہٰذا کوئی اُمت ایسی نہیں جو کسی نبی اور اس کی شریعت سے وابستہ نہ ہو۔ جس وقت تک کوئی امت اپنے نبی اور اس کی شریعت سے وابستگی جاری رکھتی ہے،

الّفَ بینھم [1] — نے ان کے درمیان اتحاد پیدا کر دیا۔

اسی کلمہ کی تاثیر سے انسانیت ایک برادری بن کر ایک دوسرے کے دکھ درد کی شریک بن جاتی ہے اور اس کلمہ کو مان کر ایک انسان دوسرے انسان کو سلامتی اور امن بخشنے کا پابند ہو جاتا ہے:

المسلم من سَلِمَ المسلمون من لسانہ ویدہ [2] — امن و سلامتی میں داخل ہونے والا (مسلمان) وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ (قوتوں اور صلاحیتوں) سے امن و سلامتی میں داخل ہونے والے (مسلمان) خود کو سلامت و مامون پائیں۔

یہ ہے وہ اساسی کلمۂ امن و سلامتی جس پر پیامبرِ امن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری توجہ دی اور جسے انسانوں کے سامنے اپنی پوری آب و تاب سے پیش کرنے اور اس کے عملی نتائج اُبھار کر مشہود بنانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ قرآن مجید کہتا ہے:

لعلك باخع نفسك الا یکونوا مؤمنین [3] — کہیں آپ اس غم میں اپنی جان نہ گنوا دیں کہ یہ ایمان کیوں نہیں لاتے۔

ظلم و جبر روکنے اور آزادی فکر و خیال بخشنے والے اس کلمہ کو عام کرنے میں مفاد پرست گروہ اور استحصالی طبقہ حائل ہونے لگا۔ یہ طبقہ اسلاف پرستی، خواہشات پرستی، مفاد پرستی اور سرمایہ پرستی کا عادی اور انسانوں کو اندھی تقلید کا سبق پڑھا کر اپنی مقصد برآری کا خوگر تھا، اسے خود ساختہ مقدس ناموں اور استھانوں کے جالے ٹوٹتے دیکھنا گوارا نہ ہو سکا، چنانچہ اس نے پوری قوت سے عالمی امن کی اس تعلیم کی مخالفت کی، داعی امن اور آپؐ کے ساتھیوں پر ہر قسم کے مظالم توڑے حتیٰ کہ امن کے داعیوں کو مجبور ہو کر اپنے وطن، گھر بار اور جائیداد کو چھوڑنا

---

[1] سورۃ الانفال آیت ٦٣

[2] صحیح بخاری ج ١ صفحہ ١١۔ یاد رہے کہ آپؐ نے یہ اس سائل کے جواب میں فرمایا تھا جس نے پوچھا تھا۔ اسلام کا بہترین و اعلیٰ مرتبہ کیا ہے؟

[3] سورۃ الشعراء آیت ٣

پڑا، محض اس لئے کہ وہ انسانی ذلت اور نظام کائنات میں فساد پسند نہ کرتے تھے اور "ربنا اللہ" کہتے تھے، لیکن ان عقل کے اندھوں اور حق کے دشمنوں نے یہ بھی گوارا نہ کیا کہ امن و سلامتی کا یہ پیغامبر دوسری جگہ کامیابی حاصل کرے۔ امن دشمنی کا یہ مرض انتہائی بھیانک صورت اختیار کرنے لگا، انسانوں تک اللہ کی نعمت و احسان کا پہنچنا دوبھر ہو گیا۔ آخر جس طرح مریض کی صحت بچانے کے لئے ڈاکٹر کو آپریشن کا سہارا لینا پڑتا ہے، قیامِ امن، دفاع، اظہارِ حق اور مفادِ عامہ کی حفاظت کے لئے جنگ ناگزیر قرار دے دی گئی:

اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا وان اللہ علی نصرہم لقدیر ہ الذین اخرجوا من دیارہم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ [1]	جن لوگوں پر جنگ تھوپی جارہی ہے ان کی شنوائی ہو گئی کہ واقعی ان پر ظلم ہوا ہے اور اللہ ان کی مدد پر قدرت رکھتا ہے یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اپنے گھروں سے ناحق نکال دیا گیا ہے صرف اس بنا پر کہ وہ کہتے ہیں: ہمارا رب اللہ ہے۔

اور ارشاد ہوا:

و قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا [2]	راہ خدا میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور دیکھو جارحیت نہ کرنا۔

اور یہ جنگ اس وقت تک جاری رہے گی جب تک کہ انسانوں کو آزادیٔ خیال، آزادیٔ فکر اور آزادیٔ دین و عقیدہ کا حق نہ مل جائے:

وقاتلوہم حتیٰ لا تکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ [3]	ان سے یہاں تک جنگ کرو کہ فتنہ نہ رہے اور سارا دین اللہ کے لئے ہو جائے۔

یہاں فتنہ سے مراد دین قبول کرنے پر جبر کرنا، اظہار دین سے روکنا اور آزادیٔ دین و عقیدہ میں مزاحمت کرنا ہے۔ غور کیجئے جو دین "الفتنۃ اشدّ من القتل [4] اور الفتنۃ اکبر من القتل" [5] یعنی دین و عقیدہ پر تشدد کرنا اور آزادیٔ دین و عقیدہ سے

---

[1] سورۃ الحج آیت ۳۹، ۴۰

[2] سورۃ البقرۃ آیت: ۱۹۰

[3] سورۃ الانفال آیت ۳۹

[4] سورۃ البقرۃ آیت ۱۹۱

[5] سورۃ البقرۃ آیت ۲۱۷

محروم کرنا قتل سے زیادہ سخت اور قتل سے زیادہ بڑا جرم ہے" لا اکراہ فی الدین"[1] یعنی دین میں کسی قسم کا جبر قطعاً روا نہیں، کا اعلان کرے اس کے بارے میں یہ الزام کہ اس نے خود کو جبر سے پھیلایا اور دوسروں کو اپنے دین کا پیرو بنانے کے لئے جنگیں لڑیں، کس درجہ بے بنیاد ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں تفسیر طبری سے آیت " لا اکراہ فی الدین " کے سبب نزول سے متعلق چند روایات پیش کر دیں کہ وہ اسلام میں حریت دین و عقیدہ پر گرانقدر مواد فراہم کرتی ہیں۔

۱۔ ایک انصاری کے بچے یہودی یا عیسائی ہو گئے تھے اسلام لانے پر انھوں نے اپنے بچوں کو بجبر مسلمان بنانا چاہا تو اللہ نے اس آیت (لا اکراہ فی الدین) کے ذریعہ انہیں اس جبر سے روک دیا الا یہ کہ وہ اپنی خوشی سے اسلام قبول کر لیں۔

۲۔ اسلام سے قبل انصار مدینہ یہود کے دین کو اپنے دین سے بہتر خیال کرتے تھے اور جب ان میں سے کسی عورت کے بچے زندہ نہ رہتے تو وہ نذر مانتی کہ زندہ رہنے پر اپنے بچے کو یہودی بنا دے گی، اسلام آنے کے بعد جب یہودی قبیلہ بنو نضیر کو (غداری کی وجہ سے) مدینہ سے نکالا گیا تو ان میں انصار کے بہت سے بچے تھے۔ انصار نے کہا کہ ہم اپنے بچوں کو ان کے ساتھ نہیں جانے دیں گے، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

۳۔ ابو الحصین انصاری کے دو بیٹے تھے، شامی تیل کے تاجروں نے انہیں عیسائیت کی تبلیغ کی چنانچہ ان دونوں نے عیسائیت قبول کر لی اور ان تاجروں کے ساتھ شام چلے گئے، باپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے شام جا کر انہیں واپس لانے کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا: " لا اکراہ فی الدین"۔

صلح حدیبیہ اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگ کا مقصد محض فتنہ کو فرو کرنا اور آزادیِ عقیدہ منوانا تھا۔ اس موقع پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم ظاہری فتح و غلبہ کے متوقع تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے پر امن معاہدہ کو "فتح مبین" قرار دیا اس لئے

---

[1] سورۃ البقرہ آیت ۲۵۶

کہ اس معاہدے میں ایک شق کے ذریعہ دینی فتنہ کا سدِّباب کر کے فریقین نے ایک دوسرے کی آزادیٔ عقیدہ و دین کو تسلیم کر لیا تھا[1] آپؐ کی امن پسندی کا ایک عدیم المثال مظاہرہ تاریخ نے فتح مکّہ کے موقع پر دیکھا جبکہ آپؐ نے اپنے بدترین دشمنوں کو عام معافی دے دی میثاق مدینہ آپؐ کی امن پسندی اور آزادی دین و عقیدہ کی بین مثال ہے۔ اس میں آپؐ نے یہود کو اپنے دین پر قائم رہتے ہوئے بعض شرائط کا پابند کیا تھا[2] آپؐ نے کبھی کسی طالب امن کو امن سے محروم نہ فرمایا، جب بھی جارحیت کرنے والے دشمنوں نے امن و صلح کی درخواست کی آپؐ نے ان کی درخواست کو "فإن جنحوا للسلم فاجنح لها"[3] (تو اگر یہ (جارحیت شیوہ دشمن) صلح و آشتی پر مائل ہو جائیں تو آپ بھی صلح پر آمادہ ہو جایئے)۔ پر عمل کرتے ہوئے کبھی اس امن کی درخواست کو رَدّ نہ فرمایا۔

الغرض پیامبر امن صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام جہان کے انسانوں کو عالمی امن کے قیام کی دعوت دی، امن قائم کرنے کے لئے وہ بنیادی اصول دیا جو انسانی برادری کو عدل و انصاف اور مساوات کی بنیاد پر باہم پُرامن زندگی گزارنے میں رہنما ہے، آپؐ نے معاشرہ کو علم حاصل کرنے اور پُرامن رہ کر امن کے لئے جد و جہد کرتے رہنے کا عملی نمونہ پیش کیا اور امن کو انسانی معاشرہ کی ترقی کے لئے سب سے قیمتی چیز قرار دیا، آپؐ کی زندگی کا تمام جہاد برائے امن و اسلام تھا یعنی سلامتی میں داخل ہونے کے لئے، آپؐ نے امن کو برقرار رکھنے اور امن کو حاصل کرنے کے لئے ہر قسم کی طاقتیں اور قوتیں تیار رکھیں تاکہ مفسدوں کو امن میں خلل ڈالنے سے روکنے رہیں۔ آپؐ نے کوئی جارحانہ جنگ نہیں کی اور مدافعانہ جنگ کرنے والا

---

[1] دیکھئے معاہدہ حدیبیہ میں "من احبّ ان یدخل فی عقد محمد وعهده دخل فیه ...... عیون الاثر لابن سید الناس ج ۲ صفحہ ۱۱۹ یعنی عرب قبائل کو آزادی اور اختیار ہے کہ اپنی پسند سے محمدؐ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے عہد و پیمان کر کے آپؐ کے حلیف بن جائیں۔

[2] عیون الاثر ج ۱ صفحہ ۱۹۷ [3] سورۃ الانفال آیت ۶۲

ہمیشہ محافظ امن ہوتا ہے ۔ لوگوں نے آپؐ کو جنگوں کی تیاری میں مصروف، میدانِ جنگ میں موجود یا جارحیت کے جواب میں جارحیت پر عمل کرتے دیکھا تو انہیں غلط فہمی ہو گئی کہ رسول اللہؐ جنگجو تھے۔ انہیں یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ آپؐ کے مخالف کس قدر بے اصول، ظالم و جابر، خودغرض اور انسانیت دشمن تھے، جو اپنی قوتیں دعوت امن کو دبانے میں صرف کرتے تھے اور آپؐ اپنے بلند اصولوں کو بچانے، آزادیٔ دین وعقیدہ دلانے اور امن قائم کرنے کے لئے اپنی تمام قوتیں وقف رکھتے تھے۔ اللھم صلّ وسلّم علی نبینا المرؤف الرّحیم الحامل لواء الامن والسلام ۔